درسِ حدیث

پروفیسر مقبول احمد صاحب قاضی

قضیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشاھد ویمین (ابنِ ماجہ، ابو داؤد، مسند احمد، صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور (مدعی کی) قسم پر فیصلہ فرمایا۔

یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔ حضرت علی بن ابی خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ، زبیب بن ثعلبۃ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ، حضرت مسلمہ بن قیس رضی اللہ عنہ حضرت عامر بن ربیعۃ رضی اللہ عنہ، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، حضرت تمیم الداری۔ حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی مروی ہے۔

صحیح مسلم کی یہ روایت باعتبار سند صحیح ہے جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں نقل فرمایا ہے۔ اور نفس مسئلہ پر اس سے استدلال کیا ہے۔ امام مسلم کے عہد سے پہلے اور بعد میں اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں۔

اسنادہ جید اس کی سند جید ہے۔

بزاز کا قول ہے۔

فی الباب احادیث حسان اصحہا حدیث ابنِ عباس

اس مسئلہ میں کئی حسن احادیث ہیں جن سب سے ابنِ عباس کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ۔

لا مطعن لاحد فی اسنادہٖ

اس کی سند پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

وھذا الحدیث ثابت لا یردہ احد من

یہ ایک ثابت شدہ حدیث ہے اگر اس کی تائید

اهل العلم لو لم يكن معه غيره مع ان معه غيره يشده (نيل الاوطار)

میں اور کوئی ایک حدیث بھی نہ ہوتی تو بھی اسی کو صاحب علم رد نہ کرتا حالانکہ اس کے ساتھ اسی معنی کی اور بھی احادیث مروی ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ کم از کم آپ کے عہد مبارک تک تمام اہلِ علم بلا تمیز اس حدیث کی صحت کو تسلیم کرتے تھے۔ تاہم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ مابعد میں اس حدیث کی سند پر بعض حضرات نے اعتراضات کیئے ہیں جن میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حنفی مقلد امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بیان کرتے ہوئے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

سألت محمد يعني البخاري عن هذا الحديث فقال لم يسمعه عندي عمرو عن ابن عباس (نيل الاوطار)

میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میرے خیال میں عمرو کا ابنِ عباس سے سماع ثابت نہیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "عندی" (میرے خیال میں) کا لفظ استعمال فرما کر یہ بات واضح کر دی ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ سماع ثابت ہے ورنہ آپ اس کی کلیتہً نفی فرما دیتے اور امر واقع بھی یہی ہے کہ عمرو کا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔ جیسا کہ امام حاکم فرماتے ہیں۔

قد سمع عمرو من ابن عباس عدة احاديث وسمع من جماعة من اصحابه فلا ينكر ان يكون سمع منه حديثاً وسمعه من بعض اصحابه۔ (نيل الاوطار)

عمرو نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے متعدد احادیث سنی ہیں اور آپ کے تلامذہ سے بھی سنی ہیں۔ لہٰذا یہ بات بعید نہیں کہ آپ نے یہ حدیث ابنِ عباس سے بھی سنی ہو اور آپ کے اصحاب سے بھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث باعتبار سند درجہ صحت کو پہنچتی ہے اور عمرو کا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔ امام حاکم کے اس قول کی تائید امام طحاوی کے اعتراض سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے عمرو بن دینار کے سماع پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ یہ اعتراض کیا کہ عمرو بن دینار سے روایت بیان کرنے والے راوی قیس کا عمرو بن دینار سے ان کے علم کے مطابق سماع ثابت نہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں۔

اعله الطحاوي بانه لا يعلم قيساً يحدث عن عمرو بن دينار بشئ۔

طحاوی نے اس حدیث میں یہ علت بیان کی ہے کہ قیس کی روایت عمرو بن دینار سے ثابت نہیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس عدم علم کا جواب دیتے ہوئے امام بیہقی فرماتے ہیں۔

ولیس مالا یعلمہ الطحاوی لا یعلمہ غیرہ	یہ ضروری نہیں کہ جس بات کا علم امام طحاوی کو نہ ہو اس کا علم دوسروں کو بھی نہ ہو۔

ویسے بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عبدالبر جیسے ائمہ فن کے مقابلہ میں امام طحاوی کیا حیثیت ہے۔ کیونکہ ان کا شمار کبھی بھی کبار محدثین اور ائمہ حدیث میں نہیں کیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے ہم معنی دوسری روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں مروی ہے۔

قال یحییٰ مالک عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضیٰ بالیمین مع الشاہد۔	یحییٰ (امام مالک کے شاگرد) فرماتے ہیں مالک نے جعفر سے اور جعفر نے اپنے باپ محمد سے روایت بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ فرمایا

مؤطا کی یہ روایت اگرچہ مرسل ہے تاہم اس کا مرسل ہونا قطعاً مضر نہیں ایک تو اس لیے کہ مرسل حدیث امام مالک کے علاوہ خود حنفیہ کے نزدیک حجت ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایت مرسل کے علاوہ موصول طریقہ سے بھی مروی ہے۔ ارسال صرف یحییٰ نے کیا ہے جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر تلامذہ نے اسے موصول بیان کیا ہے۔ چنانچہ آپ کے تلامذہ میں سے عثمان بن خالد العثمانی اور اسماعیل بن موسیٰ کوفی نے اسے موصول ہی بیان کیا ہے۔ اور اس میں صراحتاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ذکر موجود ہے۔ امام مالک سے یہ بھی روایت محمد بن عبدالرحمان اور مسکین بن جبیر نے موصول بیان کی ہے اور اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام مذکور ہے۔ خود جعفر بن محمد سے امام مالک کے علاوہ جن لوگوں نے یہ روایت بیان کی ہے انہوں نے اسے موصول ہی بیان کیا ہے۔ عبیداللہ بن عمر، عبدالوہاب ثقفی، محمد بن عبدالرحمان، یحییٰ بن سلیم، اور ابراہیم نے جعفر بن محمد سے یہ روایت موصول بیان کی ہے۔ جیسا کہ دیگر کتب حدیث میں اس کی وضاحت اور صراحت موجود ہے۔

اس قدر تصریحات سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایات صحیح ہیں اور ان کی رو سے اگر بعض (مالی) مقدمات میں مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہو تو وہ اگر اس کے ساتھ حلف اٹھالے تو وہ اپنا حق لے سکتا ہے۔ اور قاضی اس کے حق میں فیصلہ دے سکتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقدمات میں ایسا ہی کیا تھا۔ آپ کے عہد مبارک کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس قاعدہ و قانون کے تحت فیصلے کئے۔

قاضی شریح اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ بھی ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں۔

قضی بذالك عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب رضی الله عنهما والقاضی العدل شریح وعمر بن عبدالعزیز۔ (الطرق الحکمیة)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، قاضی شریح اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، اس قانون کے تحت فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے۔

بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے تو اپنے عامل کوفہ عبدالحمید بن عبدالرحمان کو تحریری حکم نامہ بھیجا کہ اگر مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہو تو دوسرے گواہ کی جگہ اس سے حلف لے کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے۔ مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے۔

ان عمر بن عبدالعزیز کتب الی عبدالحمید بن عبدالرحمان بن زید بن الخطاب وهو عامل علی الکوفه ان اقض بالیمین مع الشاهد۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کوفہ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو لکھا کہ وہ ایک گواہ اور حلف پر فیصلہ کرے۔

حضرت سلمان بن یسار اور ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن سے جب دریافت کیا گیا کہ ایک گواہ اور ایک حلف پر فیصلہ دینا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا (نعم) ہاں دیگر ائمہ مجتہدین اور فقہاء کبار میں سے امام مالک رحمۃ اللہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، داؤد ظاہری رحمہ اللہ ابوثور رحمۃ اللہ علیہ اور مدینہ منورہ کے ساتوں مشہور و معروف فقہا کا یہی فتویٰ ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس قانون قضا کو سنت سے تعبیر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

مضت السنة فی القضاء بالیمین مع الشاهد الواحد یحلف صاحب الحق مع شاهده ویستحق حقه (موطا)

ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کرنا سنت ہے۔ مدعی ایک گواہ کے ساتھ اگر حلف اٹھائے تو وہ اپنا حق لے سکتا ہے۔

اگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں سنت سے مراد اہل مدینہ کا عمل بھی لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے عہد تک یہ قانون مدینہ منورہ کی عدالتوں میں رواں دواں تھا اور اگر اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مراد لیا جائے جیسا کہ فی الواقع یہی مراد ہے تو پھر اس کی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر اس قانون کا اسلامی عدالتوں میں نفاذ اور اجراء ہونا چاہیئے امام ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ووجدنا للشاهد والیمین فی آثار متواترة

ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کرنے کے نبی صلی اللہ

عن، نبی صلی اللہ علیہ وسلم وعن غیر واحد من الصحابۃ و من التابعین ۔ (الطرق الحکمیۃ)

علیہ وسلم بے شمار صحابہ اور تابعین سے آثار مروی ہیں ۔

آپ مزید فرماتے ہیں ۔

وھو الذی نختارہ اقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقتفاء لاثرہ ولیس ذالک بمخالف لکتاب اللہ عند من فھم،

(الطرق الحکمیۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے اور آپ کے نقشِ قدم پہ چلتے ہوئے ہم بھی اس بات کو اپناتے ہیں اور یہ بات جن لوگوں نے کتاب اللہ کو سمجھا ہے ان کے نزدیک قرآن مجید کے خلاف نہیں۔

اس عبارت میں امام ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ علماء احناف کی طرف ہے جو محض اندھی تقلید کی وجہ سے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک غلط مسئلہ کی بے جا حمایت کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ مدعی کے پاس اگر صرف ایک گواہ ہو تو اس سے حلف نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ حلف اٹھانا صرف مدعیٰ علیہ کا کام ہے اور قرآن میں مدعی کے لیے حلف اٹھانے کا کہیں ذکر نہیں۔ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دو گواہ پیش کرے یا ایک مرد گواہ اور دو عورتیں پیش کرے ۔ حنفیہ کا یہ مسلک درحقیقت اس نام نہاد اور خود ساختہ اصول کی بنیاد پر ہے جس کی وجہ سے انھوں نے بے شمار احادیث نبویہ پر خبر واحد کا ٹھپہ لگا کر انہیں مسترد کر دیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ خبر واحد سے قرآن مجید پہ زیادۃ جائز نہیں کیونکہ یہ ایک قسم کا نسخ ہے۔ اور خبر واحد قرآن کے حکم کو منسوخ نہیں کر سکتی ۔ حنفیہ کا یہ مسلک بدایۃ المجتہد میں بایں الفاظ ذکر کیا گیا ہے۔

قالوا وھذا یقتضی الحصر فالزیادۃ علیہ نسخ ولا ینسخ القرآن بالسنۃ الغیر متواترۃ۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ آیت (واستشھدوا شھیدین الایۃ) میں حصر ہے اور قرآن پہ زیادہ نسخ ہے لہٰذا غیر متواتر احادیث سے قرآن پہ زیادۃ جائز نہیں۔

علماء احناف کا یہ قول محض الفاظ کی ہیرا پھیری اور چابکدستی ہے ۔ دراصل وہ ہر حالت میں اپنے فقہی مسلک کو بچانا چاہتے ہیں اور افسوسناک بات یہ ہے کہ یہ برائی صرف احناف ہی میں نہیں ۔ بلکہ تمام مقلدین میں پائی جاتی ہے ۔ خواہ وہ مالکی ہوں یا شافعی، حنبلی ہوں یا حنفی اس زلف کے سب یکساں اسیر ہیں ۔ مقلدین کے ہاں فقہی احکام و مسائل کا ماخذ صرف ان کے ائمہ ہیں جب کوئی امام ایک فتویٰ دیتا ہے تو اس کے مقلدین کمربستہ ہو کر اس کے حق میں دلائل کی تلاش شروع کر دیتے ہیں ۔ اور جو مخالف دلائل نظر آتے ہیں ان کو رد کرنے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے اختیار کرتے ہیں۔ ان دلائل کی احمقانہ

تاویلات کرتے ہیں۔ اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بتاتے ہیں کہ اصل میں مسئلہ ہمارے ہی امام کا ٹھیک ہے اور مخالف دلائل تو محض تار عنکبوت ہیں۔ گویا مقلدین کے نزدیک احادیث و آثار کی صحت و سقم کا معیار اور آیات قرآنیہ کی تاویلیں و تنسیخ کا پیمانہ صرف ان کے امام کا قول ہے جو اس کے مطابق ہے وہ ٹھیک ہے جو خلاف ہے وہ یا منسوخ ہے یا مسؤل یا ثابت ہی نہیں۔ مقلدین کا یہ طرز فکر کسی حد تک روافض سے ملتا جلتا ہے ان کے نزدیک بھی کسی شخص کے کفر و ایمان یا نفاق کا معیار خدا و رسول یا کتاب و سنت نہیں بلکہ محض "اہل بیت" کی محبت یا مخالفت ہے۔ ان کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کے ایمان کی کسوٹی صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت یا مخالفت ہے ان صحابہ کبار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت کا حق کس قدر ادا کیا یہ بات ان کے ہاں بے معنی اور لغو ہے بالکل اسی طرح مقلدین کے نزدیک بھی آیات و احادیث کے معانی کا تعین اور ان کا ثبوت اس بات پر منحصر ہے کہ کیا وہ قول امام کے موافق ہے یا کہ نہیں۔ اگر موافق ہے تو ٹھیک ورنہ وہ قابل قبول ہی نہیں اور ان کو مسترد کرنے کے لیے حیلے بہانے اور عذر لنگ تراشتے ہیں۔ اس کی مثالیں تو بہت دی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصار کے پیش نظر یہ حضرت ابن عباس کی حدیث ہی لے لیجئے پہلے ان لوگوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں اور جب اس کے بارہ میں انہیں مسکت جواب مل گیا تو انہوں نے اس حدیث کی عجیب وغریب تاویل کی۔ انہوں نے کہا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ ایک گواہ ناکافی ہوتا ہے اور اس سے نصاب شہادت مکمل نہیں ہوتا اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعیٰ علیہ سے قسم لے کر فیصلہ کر دیا۔ ابن العربی فرماتے ہیں کہ حنفیہ نے اس حدیث کو رد کرنے کے لیے جو مضحکہ خیز طریقے اختیار کیے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ۔

ان المراد قضی بیمین المنکر مع شاھد الطالب۔	اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ مدعی کے پاس صرف ایک گواہ تھا لہٰذا مدعیٰ علیہ کی قسم پر فیصلہ کیا۔

ابن العربی اس رکیک تاویل کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بانہ جھل باللغۃ لان المعیۃ تقتضی ان تکون من شیئین فی جھۃ واحدۃ لا فی المتضادیت (نیل الاوطار)	یہ بات عربی زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے کیونکہ معیت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دونوں چیزیں ایک جانب میں ہوں نہ کسی مخالفت میں۔

بہرحال مقلدین کے اندازِ فکر کی یہ ایک ادنیٰ مثال ہے۔ لیکن اس کے برعکس اہل حدیث کا نقطۂ نظر بالکل صاف اور واضح ہے وہ آیات کے معانی کو احادیث کی روشنی میں متعین کرتے ہیں، اور احادیث کو ان کی اہلیت کی بنیاد پر قبول کرتے ہیں۔ یہ ہی وہ امتیازی فرق ہے جو مقلدین اور اہل حدیث میں پایا جاتا ہے۔

بات طویل ہوگئی۔ گزارش یہ ہو رہی تھی کہ مقلدین احناف نے حدیث ابن عباس کو اس لیے قبول نہیں کیا کہ وہ ان کے حنفی مسلک کے خلاف ہے۔ اور اس کے لیے عذر یہ تراشا کہ چونکہ خبر واحد ہے لہٰذا اس لیے زائد از قرآن حکم اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ حنفیہ کی اس بات کو مسترد کرتے ہوئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ومن الناس من یقول لا تکون الیمین مع الشاھد الواحد ویحتج بقول اللہ تبارک تعالیٰ وقولہ الحق واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان فلا شئ لہ ولا یحلف مع شاھد۔ قال مالک فمن الحجۃ علی من قال ذالک القول ان یقال لہ أرأیت لو ان رجلاً ادعی علی رجل مالاً ءلیس یحلف المطلوب ما ذالک الحق علیہ فان حلف بطل ذالک عنہ وان نکل عن الیمین حلف صاحب الحق ان حقہ لحق وثبت حقہ علی صاحبہ فھذا مما لا اختلاف فیہ عند احد من الناس ولا ببلد من البلدان فبای شئ اخذ ھذا اوفی ای موضع من کتاب اللہ وجدہ فان اقر فلیقرر بالیمین مع الشاھد وان لم یکن ذالک فی کتاب اللہ عزوجل وانہ لیکفی من ذالک ما مضیٰ من السنۃ (موطا)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک گواہ کے ساتھ قسم جائز نہیں۔ اور ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے" دو مردوں کو اپنے میں سے گواہ بناؤ اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو جنہیں تم چاہو گواہ بناؤ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر (مدعی) ایک مرد اور دو عورتیں بطور گواہ پیش نہ کر سکے تو اس کا دعویٰ قابلِ قبول نہیں اور اس سے ایک گواہ کی موجودگی میں حلف نہیں لیا جائے گا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کا یہ مسلک ہے ان کے پاس اس بات کا کیا جواب ہے کہ اگر مدعی مدعا علیہ پر مالی معاملات میں دعویٰ کرے تو ایسی صورت میں مدعی علیہ کو حلف اٹھانا ہوگا۔ کہ وہ بری الذمہ ہے اور اگر وہ حلف اُٹھانے سے انکار کر دے تو پھر اس انکار کی بدولت مدعی کو حلف دینا ہوگا کہ یہ دعویٰ میں سچا ہے اور اس طرح مدعی حلف اٹھا کر اپنا حق لے لے گا یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں تمام شہروں کے لوگ اسے تسلیم کرتے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ مسئلہ انہوں نے کہاں سے لیا ہے اور قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ حکم موجود ہے۔ اگر یہ مسئلہ قابل قبول ہے تو پھر یمین و شاہد کے مسئلہ کو بھی تسلیم کرنا چاہیے اگر یہ قرآن مجید میں مذکور نہیں لیکن سنت میں اسی طرح ہے"۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ کو حلف اٹھانا ہوگا۔ اور اگر مدعی علیہ حلف اٹھانے سے انکار کرے تو پھر مدعی حلف اٹھا کر اپنا حق لینے کا مجاز ہوگا۔ اس مسئلہ اور فیصلہ کو احناف بھی تسلیم کرتے ہیں لہٰذا اگر یہ بات قرآن مجید میں مذکور نہ ہونے کے باوجود انہوں نے قبول کی ہے تو یمین و شاہد کے انکار میں کیا تک ہے۔ امام مالک کے اس ارشاد کی وضاحت علامہ ابن تیمیہؒ کے ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

فان الحاکم یحکم بالنکول والیمین المردودة ولا ذکر لهما فی القرآن فان کان الحکم بالشاهد الواحد والیمین مخالفاً لکتاب الله فالحکم بالنکول والرد اشد مخالفة۔
(الطرق الحکمیة)

قاضی و حاکم مدعیٰ علیہ کے حلف اٹھانے سے انکار کرنے اور ایسی صورت میں مدعی سے حلف لے کر فیصلہ کر سکتا ہے حالانکہ ان دونوں صورتوں کا قرآن میں ذکر موجود نہیں اگر یمین و شاہد کا مسئلہ قرآن کے خلاف ہے تو نکول اور رد حلف کا مسئلہ بالاولیٰ قرآن کے خلاف ہے۔

حنفیہ کے اس مؤقف و مسلک کے خلاف شدید ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے ابو عبید فرماتے ہیں

ولیس ذالك مخالفاً لکتاب الله عند من فهمه ولا بین حکم الله وحکم رسوله اختلاف انما هو غلط فی التاویل حین لم یجدوا ذکر الیمین فی الکتاب ظاهراً فظنوه خلافاً وانما الخلاف لو کان الله حظر الیمین فی ذالك ونهی عنها والله تعالیٰ لم یمنع من الیمین انما اثبتها الکتاب الی ان قال فرجل وامرأتان وامسك ثم فسرت السنة ما دون ذالك وسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم مفسرة للقرآن و مترجمة منه۔
(الطرق الحکمیة)

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا علم و فہم عطا فرمایا ہے ان کے نزدیک یہ مسئلہ قرآن کے خلاف نہیں ہے۔ اور نہ ہی کتاب و سنت میں کوئی اختلاف ہے۔ یہ ان لوگوں کی غلط تاویل ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ یمین کا قرآن میں ذکر نہیں ہے تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور اس کو خلاف قرآن سمجھا حالانکہ قرآن کی مخالفت اس صورت میں ہوتی جب اس نے قسم اٹھانے سے روکا ہوتا اور منع کیا ہوتا بلکہ قرآن میں اس کا ثبوت موجود ہے ایک فرجل و آمراتان پر قرآن خاموش ہو گیا پھر سنت نے اس کے بعد کے مسائل بیان کئے کیونکہ سنت ہی قرآن کی مفسر اور مترجم ہے۔

امام ابو عبید احناف پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ویقال لمن انکر الشاهد والیمین وذکر انه خلاف القرآن ماتقول فی الخصم یشهد له الرجل والمرأتان وهو واجد لرجلین یشهدان له فان قالوا الشهادة جائزة قیل لیس هذا اولی بالخلاف قد اشترط القرآن فیه ان لا یکون للمرأتین شهادة الامع فقد احد الرجلین فانه سبحانه قال فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ولم یقل واستشهدوا شهیدین من رجالکم او رجلاً وامرأتان الخ۔ (الطرق الحکمیة)

جو شخص ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کا منکر ہے اس سے اگر پوچھا جائے کہ اگر دو مردوں کی موجودگی میں ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں تو کیا جائز ہے؟ اگر وہ ہاں میں جواب دے تو اس سے پوچھا جائے کہ کیا یہ قرآن کی مخالفت نہیں ہے کیونکہ ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی کو قرآن نے صرف اس وقت جائز قرار دیا جب دو مرد گواہ میسر نہ ہوں قرآن نے یہ نہیں کہا کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بلکہ یہ کہا کہ اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی جائز ہے۔

حنفیہ کے اس اصول کہ یہ حدیث مخالف قرآن ہے یا اس قسم کی تمام "اخبار احاد" خلاف قرآن ہیں لہذا قابل قبول نہیں ہیں کی تردید میں امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا مسلک بیان کرتے ہوئے علامہ ابن قیم فرماتے ہیں۔

وقد بین الائمة کالشافعی واحمد وابی عبید وغیرهم ان کتاب الله لا یخالفها بوجه وانها موافقة لکتاب الله وقد انکر الامام احمد والشافعی من رد احادیث رسول الله صلی الله علیه وسلم لزعمه انها تخالف ظاهر القرآن وللامام احمد فی ذالک کتاب سماه طاعة الرسول والذی یجب علی کل مسلم اعتقاده انه لیس فی سنن رسول الله صلی الله علیه وسلم الصحیحة واحدة تخالف کتاب الله۔ (الطرق الحکمیة)

احمد، شافعی اور ابو عبید جیسے ائمہ نے وضاحت کر دی ہے کہ یہ حدیث کتاب اللہ کے مخالف نہیں بلکہ موافق ہے اور امام احمد اور امام شافعی نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جو بزعم خویش احادیث نبویہ کو اس لیے رد کر دیتے ہیں کہ وہ احادیث ظاہر قرآن کے خلاف ہیں۔ امام احمد نے اس بارہ میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام طاعۃ الرسول ہے ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ صحیح احادیث میں سے کوئی ایک حدیث بھی قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے۔

اس کے بعد امام ابن قیم حنفیہ کے اس اصول اور انداز فکر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

حنفیہ کی طرح ہی کچھ اور فرقوں نے بھی بعض صحیح احادیث کا انکار محض اس لیے کیا کہ وہ احادیث بقول ان کے ظاہر قرآن کے مخالف ہیں۔ روافض نے حدیث لا نورث ما ترکنا صدقۃ کا دیث میراث کی مخالف کہہ کر انکار کر دیا۔ جہمیہ نے احادیث صفات کا لیس کمثلہ شئی کے خلاف سمجھ کر انکار کر دیا۔ خوارج نے شفاعت اور اہل کبائر کے دوزخ سے نجات پانے والی احادیث کا اس لیے انکار کر دیا کہ وہ ظاہر قرآن کے مخالف ہیں۔ اسی طرح قدریہ نے احادیث قدر کا انکار کیا کیونکہ وہ ظاہر قرآن کے خلاف ہیں۔ لہٰذا اگر سب لوگوں کو یہ اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنے مزعومات کی حفاظت کے لیے جس حدیث کو چاہیں ظاہر قرآن کہہ کر رد کر دیں تو پھر احادیث کا وجود کہاں رہ جائے گا۔ ابن قیم فرماتے ہیں۔

ولو ساغ رد سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما فہمہ الرجل من ظاہر الکتاب دت بذالک اکثر السنن وبطلت بالکلیۃ (الطرق الحکمیۃ)	اگر ہر شخص کو یہ اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنے فہم کی بناء پر جس حدیث کو ظاہر قرآن کے خلاف سمجھے رد کر سکے تو پھر اکثر احادیث اور سنن متروک ہو جائیں اور ان کا وجود مہمل ہو جائے۔

ائمہ احناف نے حضرت ابن عباس اور حضرت جابر کی ان احادیث کو جن میں شاھد مع یمین کا ذکر ہے اس بناء پر بھی انکار کیا ہے کہ بقول ان کے قسم صرف مدعیٰ علیہ پر ہے جیسا کہ بعض دیگر احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے مگر ان کی یہ بات درست نہیں کیونکہ اسلامی قانونِ شہادت کی روح کے مطابق قسم کبھی مدعا علیہ اور کبھی مدعی کے حق میں بدلتی رہتی ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ قسم مدعا علیہ پر اس وقت ہو گی جب مدعی کے پاس کوئی گواہ نہ ہو۔ ایسی صورت میں چونکہ برآۃ الذمۃ کے اصول کے تحت مدعیٰ علیہ کی جانب راجح ہو جاتی ہے اس لیے قسم وہ اٹھائے گا مگر جب مدعی کے پاس ایک گواہ ہو تو ایسی صورت میں چونکہ مدعی کا پہلو بھاری ہو گیا ہے اس لیے قسم وہ اٹھائے گا۔ گویا مدعی اور مدعا علیہ میں سے قسم اس کو اٹھانا ہو گی جس کی جانب دوسرے سے راجح ہو گی۔ لہٰذا جب مدعی کے پاس ایک گواہ موجود ہو گا تو اس کو حلف اٹھانا ہو گا۔ یہ ہی اسلام کا فلسفہ قانون شہادت ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

ان الیمین انما کانت فی جانب المدعی علیہ حیث لم حجج المدعی بشئی غیر الدعوی فیکون جانب المدعی علیہ اولی بالیمین لقولہ	مدعا علیہ کے حق میں قسم صرف اس صورت میں رکھی گئی ہے جب کہ مدعی کے پاس ماسوائے دعوٰی کے اور کچھ نہ ہو۔ ایسی صورت میں مدعا علیہ کی جانب راجح

باصل برآءۃ الذمۃ فکان ھو اقوی المتداعیین باستصحاب الاصل فکانت الیمین من جھتہ فاذا ترجح المدعی بلوث او نکول او شاھد کان اولی بالیمین لقوۃ جانب بذالک فالیمین مشروعۃ فی جانب اقوی المتداعیین فایھما قوی جانبہ شرعت الیمین فی حقہ

ہوگئی کیونکہ اصول یہ ہے کہ ہر آدمی بری الذمہ ہے۔ لہٰذا جب اس کا پلڑا مدعی سے بھاری ہے تو قسم وہ اٹھائے گا لیکن اگر مدعی کے پاس کوئی واضح علامت ہو یا مدعیٰ علیہ قسم سے انکار کر دے یا اس کے پاس ایک گواہ ہو تو پھر قسم وہی اٹھائے گا کیونکہ اس کی جانب راجح ہو گئی ہے۔ قسم کو مدعی اور مدعاعلیہ میں سے اس کے حق میں شریعت نے رکھا ہے۔ جس کا پہلو غالب اور جانب راجح ہو گی۔

اس سے معلوم ہوا عقل اور درایت بھی اس معاملہ میں حدیث ابنِ عباس کے ساتھ ہے۔ لہٰذا روایت اور درایت ہر دو اعتبارات سے اصل مسئلہ یہ ہی ہے کہ اگر مدعی کے پاس مالی مقدمات میں صرف ایک گواہ ہو تو پھر دوسرے گواہ کی جگہ اسی سے حلف لیا جائے گا اور اس طرح وہ مدعیٰ علیہ سے اپنا حق حاصل کرنے میں حق بجانب ہوگا اور اس مسئلہ میں علماءِ احناف کا مسلک روایت اور درایت دونوں کے خلاف ہے اور اس بناء پر قابلِ قبول نہیں۔

بقیہ:- امام ابوداؤدؒ اور سنن ابی داؤدؒ

یا حق قرابت داری ان کو جھوٹ یا غلط بات کی طرف مائل نہیں کر سکتا۔ اس قسم کے حق گو اور سچے انسانوں میں امام ابوداؤد رحمہ اللہ کا نام سرفہرست ہے۔ جنہوں نے جرح کے موضوع پر گفتگو فرماتے ہوئے صاف کہہ دیا تھا۔ ابنی عبداللہ کذاب میرا بیٹا کذاب ہے[۱]

پوشاک بعض لوگ لباس کے معاملے میں بڑے تکلفات سے کام لیتے ہیں اور خصوصی انتظامات کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لباس پوشاک ایسی پرکشش ہو کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔ لیکن ہمارے امام موصوف اس قسم کے تکلفات سے بالاتر تھے۔ وہ عام لباس زیب تن فرماتے بلکہ امام صاحب کا لباس تو اتنا سادہ تھا کہ ایک آستین چھوٹی ہوتی اور ایک آستین بڑی ہوتی۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمانے لگے بڑی آستین تو اس لیے ہے کہ میں اس میں کتابیں اٹھاتا ہوں اور دوسری چھوٹی اس لیے کہ اتنے کپڑے سے میرا گزارہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا زائد کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے[۲]

(باقی آئندہ)